جلد ۰۱ شمارہ ۱۶، ۲۰۲۳

Article

ALI MOIN'S BHAGWA BHAIS (PSYCHOLOGICAL AND SOCIAL CONTEXT)

علی معین کی بھگوا بھیس (نفسیاتی و سماجی سیاق)

Dr. Saira Irshad *[1], Muhammad Farooq Baig[2], Dr. Uzma Zareen Nazia[3]

[1] Lecturer Urdu, Government Sadiq College Women University Bahawalpur
[2] Lecturer, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad
[3] Professor, Department of Persian, University of the Punjab, Lahore
*Correspondence: saira.irshad@gscwu.edu.pk

[1] ڈاکٹر سائرہ ارشاد، [2] محمد فاروق بیگ، [3] ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ

[1] لیکچرار اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاول پور، [2] لیکچرار اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد، [3] پروفیسر، شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Abstract: Ali Moin is a known author of Urdu literature. Many of his books have come to light. He has written many telefilms and drama series so far while hundreds of songs have also come to light. A book containing sketches of Ali Moin was published in "Bhagwa Bhais". The author has skillfully made the ordinary characters scattered around him extraordinary. The sketches written in " Bhagwa Bhais " reflect our social attitudes. The saffron disguise is a garment worn by Hindus in a place of worship that puts their own identity behind them. Ali Moin is familiar with the art of words. Undoubtedly, the collection of sketches " Bhagwa Bhais " can be considered as an invaluable treasure of Urdu literature.

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:01-06-2023
Accepted:20-06-2023
Online:30-06-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Keywords: Saffron Disguise, Angle of view, Blame Sufi, Gyan Yoga, Psychological Aspects, Conquest, Mystery, Philosophical Colors

علی معین ۲۰ نومبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم بہاول پور میں حاصل کی جب کہ گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی لاہور سے انگلش اور پولیٹیکل سائنس میں میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ وہ آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔ علی معین کی اہم تصانیف میں "بدن کی خانقاہ سے (شعری مجموعہ)"، "بھگوا بھیس (خاکے)"، "ہم پر ہجر اُتار (نظمیں)"، "اعتکاف (نعتیہ مجموعہ)"، "مرے پیچھے محبت پڑ گئی (غزلیں)"، اور آواز (انشائیے) شامل ہیں۔ ان کے تحریر کردہ اہم ڈراما سیریلز میں "سرمایہ"، نور محل "، "باتیں دل کی"، "مہلت"، "مقام"، "خالی آنکھیں"، "پھول والی گلی"، "رنگ باز"، "ایک دفعہ کا ذکر ہے"، "مشرک"، "مرضی"، "خواب نگر کی شہزادی"، "مور محل"، "جھوٹی" اور "جو بچھڑ گیا" شامل ہیں۔

علی معین ۷۰ سے زائد ٹیلی فلمیں لکھ چکے ہیں جن میں "ایک آدھ ہفتہ" اور "آئینہ وہی رہتا ہے" کو بہترین سکرپٹس کا ایوارڈ مل چکا ہے۔ انھوں نے ۵۰۰ کے قریب مختلف نغمے لکھے جن میں کئی نغمے بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی خاکوں پر مشتمل کتاب "بھگوا بھیس" ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں گیارہ شخصیات کے خاکے شامل کیے گئے ہیں۔ "عجیب باتیں" کے عنوان سے علی معین نے اپنے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ "بھگوا بھیس" میں جن شخصیات کے خاکے لکھے گئے ہیں ان کا شمار عام لوگوں میں کیا جا سکتا، یہ لوگ بہت انمول ہیں۔ علی معین اپنے دوستوں کا تعارف کراتے ہیں اور ان کی شخصیت سے اپنی پہچان کا تعین کرتے ہیں۔:

> "یہ سب لوگ مجھے زندہ رکھتے ہیں۔ اور مجھے زندگی کرتے رہنے کا حوصلہ دیتے رہتے ہیں۔ میں نے جو کچھ سیکھا انہی سے سیکھا۔ میری جھولی میں عطا کی جتنی دان دکشنا ہے اس کے لیے "پیا جی" نے زمین پر میرے لیے انہی لوگوں کو وسیلہ بنایا ہے۔ یہ لوگ نہ ہوتے تو شاید میں کب کا بکھر چکا ہوتا۔"[۱]

بھگوا بھیس دراصل ہندوؤں کی عبادت گاہ میں پہنا جانے والا لباس ہے جو ان کی اپنی شناخت کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ "بھگوا بھیس" میں "مونا کینڈو" کے عنوان سے پہلا خاکہ لکھا گیا ہے جس کے آغاز میں علی معین اپنے بھائی فیصل معین کا خود سے تقابل کر کے دو متضاد کرداروں کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ ان دونوں کے مابین عادات و اطوار کے واضح فرق کے باوجود دوستی اور محبت کا گہرا رشتہ موجود ہے۔ علی معین خود کو خیالات کے دائرے میں گھومتا ہوا محسوس کرتے ہیں اس کے برعکس ان کے بھائی فیصل معین حقیقت پسند انسان ہیں۔ علی معین کا مشاہدہ انتہائی گہرا ہے جب کہ انھیں شخصیت کی تہہ دَر تہہ پرتیں کھولنے میں بھی مہارت حاصل ہے۔ یہ خاکہ جہاں آغاز میں دو بھائیوں کی عادات و اطوار کا عکس پیش کرتا ہے وہیں فیصل معین کے دوست فیض الرحمن کا تذکرہ شامل ہے جس کا نام مونا کینڈو رکھا گیا یعنی "مونا کر سکتا ہے"۔

مونا کینڈو مرکزی جامع مسجد الصادق کے بڑے گیٹ کے سامنے ٹکیاں بنایا کرتا تھا۔ علی معین اس مضبوط قد کاٹھ کے حامل نوجوان کو دور سے سلام کر کے گزر جاتے تھے۔ اس کی شخصیت کا بھرپور انداز میں جائزہ لینے کے بعد علی معین کئی زاویوں سے مونا کو جانچتے ہیں۔ وہ محنتی ہونے کے علاوہ ہمیشہ دوسروں کی توقعات پر پورا اُترنے کی کوشش کرتا تھا۔ علی معین مونا کینڈو کے حوالے سے لکھتے ہیں۔:

"مونا کینڈو دوسرے لوگوں سے ذرا سا مختلف اس لیے ہے کہ وہ انکار تو نہیں کرتا مگر اس کام کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں اپنی ریزرویشنز بھی ہوتی ہیں۔"[۲]

خاکے میں مونا کینڈو کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے انتہائی دلچسپ صورتِ حال پیدا کی گئی ہے۔ مونا کینڈو ایک مخصوص طرزِ حیات کا حامل ہے۔ اسے کسی دوسرے کی ہمدردی سے سروکار نہیں جب کہ وہ دوستی کے معاملے میں بھی اپنے جیسے دوست بنا کر مطمئن رہنے کا قائل ہے۔ اس کے زیادہ تر دوست ہم پیشہ افراد ہیں جن کا ساتھ دینے کے لیے وہ کئی بار مار بھی کھا چکا ہے۔ خاکے میں مونا کینڈو کی بے ساختگی، حاضر دماغی اور معاملہ فہمی کا بھرپور ادراک ملتا ہے۔ علی معین نہایت عمدگی سے ایک ایسے شخص کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں جو اپنی کم آمد اور محدود وسائل کے باوجود انتہائی مطمئن زندگی گزار رہا ہے۔ مونا کینڈو معاشرے کا ایسا کردار ہے جو مخصوص دائرہ کار میں رہنے کے باوجود شکوہ کناں نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے یقیناً معاشرے میں ایسے لوگ کم ہی دکھائی دیتے ہیں جو اپنے حال سے مطمئن ہوں۔ علی معین اس انداز میں خاکہ لکھتے ہیں کہ کہانی کا تاثر اُبھرنے لگتا ہے۔:

"خاکہ پنسل سکیچ ہے جس میں کم سے کم لائنوں سے چہرے کا تاثر واضح کیا جاتا ہے۔" [۳]

علی معین مونا کینڈو میں وسیع مشاہدات کی بنیاد پر اہم نکتے کو بھرپور انداز میں بیان کر کے قاری کے ذہن میں مختلف طرح کے پیدا ہونے والے سوالات کا بھرپور جواب فراہم کرتے ہیں۔ اسی خاکے میں وہ اپنے دوست اویس خان کے بارے میں باریک بینی سے مشاہدہ کر کے لکھتے ہیں کہ اویس خان کی زندگی کو سمجھنا ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ وہ اپنے ظاہر و باطن سے ایک الگ شخصیت کے روپ میں اُبھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اویس خان کے مزاج میں جذباتی پن دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ہر طرح کے حالات پر خود کو حاوی رکھنے کا ہنر جانتا ہے۔ چناں چہ اس میں اظہار کی عادت نہ ہونے کے باعث کوئی بھی قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی۔ علی معین اپنے دوست کی اس کیفیت کو مختلف طرح کی قیاس آرائیوں سے اُجاگر کرتا ہے۔ وہ اس طرح کے حالات کا ذمہ دار اس کی ماں کو قرار دیتے ہیں جو بچپن سے اپنے بیٹے کی ہر خواہش کو پورا کرتی آئی یہی وجہ تھی کہ اویس خان اپنے ہر عمل اور معاملے کو درست قرار دیتا ہے جب کہ اس کے مزاج میں بے چینی اور نت نئے خوابوں کی نسبت اسے کسی ایک جگہ پر نہیں ٹھہراتیں۔ خوابوں کے مکمل ہو جانے کی بنا پر اویس نئے خوابوں کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔

علی معین ان دو متضاد شخصیات کے ذریعے دو الگ تھلگ کیفیتوں کو واضح کرتے ہیں۔ ایک طرف مونا کینڈو محدود ذرائع آمدن کے باوجود ایک خاص زاویۂ نظر کے تحت مخصوص طرز کی زندگی گزار کر مطمئن ہے جب کہ دوسری جانب عیش و آرام کی زندگی گزارنے

والا ہر خواہش کی تکمیل کے باوجود مسلسل تلاش کے سفر پر رواں دواں ہے۔ زندگی سے ہر خوشی وصول کرنے والا غیر مطمئن اور پُر اسرار شخصیت کا مالک ہے جسے کسی بھی پل قرار نہیں۔ علی معین نے کمال مہارت سے دو کرداروں کی عادات و خصائل کو زندگی کے فلسفے سے جوڑا ہے۔ اندازِ تحریر خوب ہے اور سادگی و پُرکاری کا مظہر اسلوب انتہائی برجستگی سے اس خاکے کو نہ صرف بیان کرتا ہے بلکہ قاری کے ذہن میں بے شمار نئے زاویے پیدا کر دیتا ہے جس سے سوچنے سمجھنے اور جاننے کا سفر قائم رہتا ہے۔

''بھگوا بھیس'' میں ''کالے خان'' کے عنوان سے لکھے گئے خاکے میں علی معین پہاڑوں کے بھید، بے نیازی اور غرور کو نہایت عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ ایبٹ آباد کے سفر پر روانہ ہوئے تو انھیں پہاڑی سلسلوں کی موجودگی کسی صورت نہ بھائی تاہم جھیل سیف الملوک پہنچ کر علی معین نہ صرف مبہوت رہ گئے بلکہ خدا کے حسین شاہکار کے سامنے امن کی کاری گری کو سراہنے لگے۔ وہاں ان کی ملاقات کالے خان سے ہوئی جو جھیل سیف الملوک کے متعلق تفصیل بیان کرتا ہے۔ علی معین کمال مہارت سے اس کی حلیہ نگاری بیان کرتے ہیں۔ پھٹے پرانے، میلے کچیلے کپڑوں میں موجود انتہائی مفلوک الحال شخص نے جھیل سیف الملوک کی تاریخ اس طرح بیان کی کہ گویا یہ ایک سبق ہو۔ کالے خان کا مقصد محض اپنی بھوک مٹانا نہیں بلکہ اس کا معاملہ لالچ تک بڑھ گیا۔ علی معین، کالے خان کے انداز کا جائزہ لیتے ہیں جب کوئی سیاح اس سے کہانی نہ سنے تو وہ اس طرح وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے کہ گویا کوئی بہت بڑی چیز کو ٹھکرا دیا گیا ہو۔ علی معین کالے خان سے جھیل کی کہانی نہ سن سکنے کی بدولت افسردہ رہے جب کہ کالے خان کا ذریعہ معاش نہ صرف جھیل کی کہانی سنا کر پیسے کمانا ہے بلکہ وہ سیاحوں کے ہمراہ تصویریں بھی بنواتا ہے اور رات کو بھی وہیں قیام کرتا ہے کیوں کہ اسے مسافروں سے بچ جانے والا کھانا مل جاتا تھا جس کی بدولت وہ اپنا پیسہ خرچ کرنے سے بچ جاتا۔ علی معین اس حوالے سے حیرت میں مبتلا ہیں کہ کالے خان نے کبھی مسجد کا رخ نہیں کیا بلکہ اسے یوں لگتا ہے کہ پہاڑوں کا حسن ہی اسے رزق دینے کا باعث ہے جب کہ وقت گزر جانے کے بعد جب کالے خان کا وجود باقی نہیں رہے گا تو لوگ کسی سے اس کے متعلق دریافت نہیں کریں گے بلکہ یہ کردار خاموشی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جائے گا۔ آج کالے خان کو لگتا ہے کہ سیاح اس کی تصویر اور کہانی کے بغیر اپنا سفر مکمل نہیں سمجھتے اور کل اس کے بغیر حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔:

> ''جو کُل کئی اجزاء سے مل کر بنا ہو اس میں سے اگر کوئی ایک جُز نہ رہے تو وہ تمام کل نامکمل ہو جاتا ہے۔''[۴]

اس خاکے میں علی معین نے کمال مہارت سے نچلے طبقے کے ایک انسان کی زندگی سے وابستہ خوش فہمیوں کو اُجاگر کیا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ بڑی بڑی ہستیوں کے دنیا سے چلے جانے کا وقتی اثر تو لیتے ہیں تاہم وقت کی رفتار ایسے مناظر دھندلا دیتی ہے جب کہ وہ عام لوگ جو کسی خاص مقصد کو اپنے ذہن میں بٹھا کر خود کو مشہور و معروف سمجھتے ہیں ایک وقت آتا ہے کہ پھر ان کی اپنی ذات کے ختم ہونے پر شناخت باقی نہیں رہتی۔

"چاچا نبو" کے خاکے میں علی معین ان کی وفات کے منظر سے آغاز کرتے ہیں جہاں مختلف طرح کے لوگوں کا رویہ اور دعائیہ کلمات کے ذریعے انہیں دفنایا گیا۔ تمام منظر فلیش بیک تکنیک سے واضح کیے گئے ہیں۔ چاچا نبو مٹی کے برتن بھی فروخت کرتا تھا۔ اس کی کچی دکان میں مٹی کے بے ترتیب برتن پڑے رہتے۔ علی معین، چاچا نبو کے بیٹھنے کی پیڑھی (کرسی) کا تذکرہ کرتے ہیں جو پندرہ سال مسلسل استعمال ہونے کی بنا پر اپنی اصل شناخت کھو چکی تھی۔ علی معین، چاچا نبو کی دکان کا نہایت عمدگی سے نقشہ کھینچتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے رقم طراز ہیں۔:

> "چاچا نبو کی دکان میں وہی تیل کا دیا جلتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ بجلی کی ضرورت چاچا نبو نے کبھی محسوس نہیں کی۔ ضرورت کا تعلق احساس سے ہوتا ہے اور چاچا کو کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا۔"[۵]

علی معین چاچا نبو کو بھی مٹی کے ان برتنوں کی مانند قرار دیتے ہیں جو دھوپ لگنے کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے محلے کو چاچا نبو کے بغیر ادھورا محسوس کرتے ہیں۔ چاچا نبو نہ صرف اپنی دکان پر موجود رہتے بلکہ ہر طرح کے لوگوں سے گھل مل جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ سب لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ علی معین چاچا نبو کو محلے میں جھوٹے پیر کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔ چاچا نبو لکڑی کا ٹکڑا اُٹھا کر کچھ پڑھتا رہتا اور لوگ ان سے دم کروا کر خود کو قدرے بہتر محسوس کرتے جب کہ علی معین کے بقول چاچا نبو لوگوں کا نفسیاتی علاج کرتا تھا۔ بڑھاپے کے بعد چاچا نبو جہاں جسمانی کمزوری کا شکار ہوا وہیں اس نے اپنے ہنر کو مستند حیثیت بھی دی۔ چاچا نبو کا فطرت سے رشتہ برقرار رہا یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ بوسیدہ لنگی (چادر) میں ملبوس نظر آیا۔ چاچا نبو کا خاندانی پیشہ گورکنی ہے جب کہ وہ خود کبھی کسی جنازے میں شامل نہیں ہوا بلکہ اس نے ہمیشہ قل خوانی میں شرکت کر کے چاول کھانے کو ترجیح دی۔

علی معین اس خاکے میں ایک عام سے کردار کی جاذبیت سے متعارف کراتے ہیں۔ روزمرہ زندگی میں ایسے بے شمار کردار آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتے ہیں تاہم جس باریک بینی سے انھوں نے چاچا نبو کا خاکہ لکھ کر نچلے طبقے کی عکاسی کی ہے۔ یہ صورتِ حال نہ صرف قاری کی دلچسپی کو بڑھاتی ہے بلکہ ایسے کرداروں سے ملنے کے لیے تجسّس بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ خاکہ آغاز سے انجام تک نہایت مربوط انداز لیے ہوئے ہے۔ ٹرین اسٹیشن پر چائے کا کام کرنا، محلے میں مٹی کے برتن فروخت کرنا اور پھر دم درود کے ذریعے لوگوں کی بیماریوں کو شفا میں بدل دینے والا معمولی سا کردار اپنی غیر معمولی محدود صلاحیتوں کے بل بوتے پر نہ صرف خود کو منوا رہا ہے بلکہ اپنی زندگی ایک خاص نقطۂ نظر سے گزار کر حرص و لالچ سے دور نہایت آسودہ حالت کا عکاس بھی ہے۔:

> "حلیہ نگاری خاکے کا لازمی جزو نہیں۔ یوں بھی ظاہری شکل و شباہت کردار کو سمجھنے میں زیادہ معاون نہیں ہوتی۔ معصوم صورتیں بھی گھناؤنی سیرتوں کی مالک ہوتی ہیں۔"[٦]

"ملامتی صوفی" کے عنوان سے علی معین اپنے دوست حامد مجید خان کا خاکہ تحریر کرتے ہیں۔ برسوں کی شناسائی کے باوجود علی معین کو محسوس ہوتا ہے کہ گویا اجنبیت تاحال برقرار ہے۔ حامد مجید بیک وقت کئی روپ دھارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں کبھی بچپنا آجاتا ہے اور کبھی وہ بزرگ دکھائی دیتا ہے۔ حامد مجید ہر طرح کے لوگوں میں نہ صرف گھل مل جاتا ہے بلکہ ان کی صحبت میں خوش بھی دکھائی دیتا ہے۔ مزاج کا یہی تغیر اسے افسردہ بھی کر دیتا ہے اور وہ دکھ کے پاتال میں گھر جاتا ہے۔ علی معین اس رویے کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ حامد مجید زندگی میں کبھی اطمینان حاصل نہیں کر سکا یہی وجہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کی موت بھی اس کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنتی۔ وہ مرنے والے پر حیران کن مسرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے مراد پالی ہے۔

"اس دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے زندہ ہے۔ اس کے ہونے کا کوئی نہ کوئی جواز موجود ہے۔ کوئی بھی شخص محض جینے کے لیے نہیں جیتا۔"[۷]

خاکے میں حامد مجید کو انا پرست شخص قرار دیا گیا ہے۔ اپنی محدود ضروریات اور خواہشات کے دائرے میں حامد مجید ہمیشہ مقید رہا یہی وجہ ہے کہ اس میں حرص، لالچ اور حسد نہیں ہے۔ علی معین مزاج کے کے تغیر کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ محکمہ مالیات میں ملازمت کے باوجود حامد مجید سائیکل پر سوار محدود ذرائع آمدن سے زندگی بسر کرتا رہا۔ علی معین حامد مجید کی گفتگو کے پیچھے چھپے ہوئے الفاظ تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ علی معین اپنے دوست کی تہہ در تہہ شخصیت کو ایک انجانی کیفیت سے آشنا کرتے ہیں۔ یقیناً زندگی میں ایسے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو بظاہر ہم پر منکشف ہو جاتے ہیں تاہم ان کا باطن مختلف ہوتا ہے۔ ایسی ہی دوہری شخصیات کے حامل افراد دوسروں کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ظاہر نہیں ہوتے یہی کردار حامد مجید خان کا بھی ہے۔:

"کامیاب خاکہ نگاری کے لیے قدرتِ بیان کے علاوہ نفسیاتِ انسانی کا گہرا مشاہدہ اور زندگی کے متنوع پہلوؤں کا وسیع مطالعہ اشد ضروری ہے۔"[۸]

"یوگی" کے عنوان سے علی معین اپنے دوست راؤ فرقان احمد کا کا خاکہ تحریر کرتے ہیں جس میں یوگی کو اتحاد قرار دے کر یہی خصوصیات اپنے دوست کی فطرت میں تلاش کرتے ہیں۔ علی معین بائبل اور گیتا کا مطالعہ کرتے ہوئے ان مذاہب میں جو خوبیاں دیکھتے ہیں انھیں اپنے دوست سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اتحاد، عقیدت اور محبت کے حوالے سے راؤ فرقان کی عادات بھی انھیں خوبیوں کا پرچار کرتی ہیں۔ علی معین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"وہ یوگی ہے۔ ایک ایسا یوگی جس کے اندر کے انسان نے کرم، راج، بھگتی اور گیان یوگ کیے ہوئے ہیں۔"[۹]

علی فرقان احمد کی عادات واطوار کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو وہ بغیر کسی طمع یا لالچ ہر وقت کام میں مصروف نظر آتا ہے۔ اسی طرح تعلیم بھی محض اس لیے حاصل کرتا ہے کہ علم کی پیاس بجھا سکے۔ علی معین، فرقان احمد کے تجسّس کے بارے میں منفرد

قیاس آرائی کرتے ہیں۔ ان کا دوست ہمیشہ کسی کھوج میں رہتا ہے، جسے تلاش کرنا چاہتا ہو اسی وجہ سے وہ ہر وقت کتابوں میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے مزاج میں غصہ اور جھنجھلاہٹ نہیں ہے بلکہ وہ خاموشی سے اپنے معاملات میں اُلجھا رہتا ہے۔:

"خاکہ عام طور پر انہی شخصیات یا اشخاص کا لکھا جاتا ہے، جن سے خاکہ نگار کو کوئی خاص ان، عقیدت یا دلچسپی ہوتی ہے۔"[۱۰]

علی معین نے ایک ایسے معاشرتی کردار سے متعارف کرایا ہے جو اس دنیا کا باسی نہیں لگتا بلکہ ہر وقت خیالوں میں گم اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ دوسروں کے لیے اس کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہیں۔ یہی رویہ محبت کے معاملے میں بھی نظر آتا ہے کہ جب اظہار کی نوبت آئے وہ اس حوالے سے بھی گریزاں دکھائی دیتا ہے۔ اسے اپنے حق کے لیے بھی بولنا نہیں آتا۔ چناں چہ علی معین نے ایک بے ضرر اور خاموش تماشائی کے بظاہر سکوت اور اندر کے تلاطم کو انتہائی مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔

"بھگوا بھیس" میں شامل "Un Common Common Man" کے عنوان سے تحریر کردہ یہ خاکہ علی معین کے دوست حمزہ ذونیر کے بارے میں ہے۔ وہ اپنے دوست کی طلسماتی شخصیت کے بارے میں نہ صرف حیران رہ جاتے ہیں بلکہ انھیں بچپن میں پڑھے گئے لفظ "Microcosm" یعنی انسان بطور کائنات کیسے ہو سکتا ہے کی حقیقی معنوں میں سمجھ آتی ہے۔ علی معین اپنے اس دوست کی بے پناہ صلاحیتوں کے معترف دکھائی دیتے ہیں تاہم اس کی نفسیاتی وجوہات تلاش کرتے ہوئے وہیہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔:

"درمیانے طبقے کے لوگ خدا کو سب سے زیادہ مانتے ہیں، اس کی ذات پر ان کا بھروسہ سب سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور اس اعتماد کی بنیاد خوف پر ہوتی ہے۔ وہ ایک پنڈولیم کی طرح خوف اور اعتماد کے دو انتہائی کناروں کے درمیان جھول رہے ہوتے ہیں۔"[۱۱]

حمزہ کی شخصیت میں توازن اور بردباری ہے جب کہ وہ اپنے دکھوں کا اظہار کر کے دوسروں کے سامنے بے وقعت ہونے کو ترجیح نہیں دیتا۔ حمزہ بات بدل لیتا ہے۔ اسے کتابوں سے محبت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سہما ہوا اور خوفزدہ نظر آتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں اگر کوئی جاہل ہوتا تو اترا تا رہتا۔ علی معین اپنے اس بظاہر عام سے دوست کو عادات و اطوار اور سوچ میں تفکر کی بنا پر بہت خاص درجہ دیتے ہوئے اس کا شمار ان لوگوں میں کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے باعث کشش ہوں۔

"الف اکیلا" کے عنوان سے تحریر کیے گئے اس خاکے میں علی معین اپنے بھائی اور والدہ کے ساتھ رہتے ہوئے بھی خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ وہ اس کی ایک وجہ کتابوں کی دنیا میں رہنا قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے حقیقی دنیا سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ علی معین اپنی والدہ کو بھی مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ خواب دیکھے اور ان کی تعبیر کے لیے تگ و دَو کرنے کے علاوہ یہ بھی فرض کر لیتا کہ ان کا ہر خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ماں نے تربیت پر توجہ دی تاہم میل جول سے اجتناب برتا گیا جب کہ گھریلو زندگی میں علی معین لمحہ بہ لمحہ تنہائی کا شکار ہو کر خود کو کم اعتماد سمجھتے ہیں۔ وہ ڈاکٹر غلام حسین سے پہلی ملاقات میں اس نفسیاتی پہلو کا بغور جائزہ لیتے

ہیں۔ علی معین ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر انھیں دنیا کا ناکام انسان ثابت کرتے ہیں کیوں کہ ڈاکٹر صاحب اپنے حال میں اس طرح گم سم رہتے ہیں کہ انھیں نہ گھر کے طریقے سلیقے کا پتا ہے اور نہ وہ خود پر توجہ دیتے ہیں جب کہ ملکی صورتِ حال کے حوالے سے بھی اُن کی معلومات انتہائی ناقص ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر میں فرنیچر سے زیادہ بکھرے ہوئے بے ترتیب نوٹس ہیں۔ انھوں نے خود کو منوانے یا شہرت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی ان کے دوست ہیں جن کے ساتھ وقت گزار کے خود کو مصروف رکھ سکیں۔:

> "وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے اور اسے کچھ کھونے کا احساس کانٹے کی طرح چبھتا رہے۔"[۱۲]

ڈاکٹر غلام حسین محفل کی بجائے تنہائی کو بہتر گردانتے ہیں نیز تفریح کو محض انسانی نفسیات کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ علی معین جہاں اپنے گھر کی تنہائی سے خوفزدہ تھا وہیں ڈاکٹر غلام حسین کے حوالے سے بھی فکر مند ہے کہ انھیں اکیلے پن نے ڈس لیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ خود کے لیے بھی دستیاب نہیں۔ بلاشبہ دور جدید میں جہاں انسان مصنوعی زندگی کا عادی ہوتا جا رہا ہے اور اسے اپنوں کی قربت میسر نہیں ہے وہیں یہ خاکہ انسانی زندگی کے لیے لمحہ فکریہ کی علامت ہے۔:

> "جو شخص جیسا ہے وہ وہی کچھ نہیں ہوتا، اس کے اندر بہت کچھ چھپا ہوتا ہے۔ شخصیت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے اسے صرف زمین پر چلتے پھرتے دیکھ لینا شخصیت سے آگاہی کے ذیل میں نہیں آتا۔"[۱۳]

تعلیم کا حصول انتہائی ضروری ہے تاہم اسے ہر وقت خود پر مسلط کر لینے سے زندگی کی حقیقی خواہشات کشید نہیں کی جا سکتیں۔ علی معین نے کمال مہارت سے انسانی زندگی کی اس کتاب دوستی پر چوٹ کی ہے کہ بظاہر گوشت پوست کا انسان جب خود کو کتابوں میں غرق کر لے تو پھر وہ عملی زندگی میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے حالات اسے تنہا کر دیتے ہیں چناں چہ یہ خاکہ کتابوں کے علاوہ انسانوں کی اہمیت کے حوالے سے ایک سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ علی معین انتہائی عمدہ طریقے سے خاکے کا سلسلہ اپنی ذات سے جوڑتے ہیں۔

"بھگوا بھیس" میں آئس برگ (Ice Berg) کے عنوان سے تحریر کیے گئے خاکے میں علی معین اپنے دوست راؤ محمد اسرار کا خاکہ تحریر کرتے ہیں۔ علی معین وکالت کے پیشے سے منسلک اپنے دوست کی لاتعلقی اور دوسروں کے مابین فاصلہ برقرار رکھنے کی عادت کو بیان کرتے ہیں۔:

> "اسرار صاحب آئس برگ ہیں۔ جس طرح ایک آئس برگ کے نو حصے پوشیدہ اور صرف ایک حصہ نظروں کے سامنے ہوتا ہے، اسی طرح اسرار صاحب بھی صرف ایک حصہ دوسروں کے سامنے ہیں۔ کئی دنیائیں ہیں جو ان کے اندر تسخیر ہونے کی منتظر ہیں۔"[۱۴]

راؤ محمد اسرار کا مزاج آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں بلکہ وہ اپنے نام کی طرح کئی قسم کے بھید سینے میں لیے پھرتے ہیں۔ انھیں آسان بات کی بجائے گھما پھرا کر بولنے کی عادت ہے۔ اگر محمد اسرار کو بھوک لگتی ہو تو وہ گھر میں براہِ راست کھانا مانگنے کی بجائے قحط زدہ ممالک کا ذکر شروع کر دیں گے جب کہ محمد اسرار ہر معاملے میں خود کو مکمل سمجھتے ہیں اور انھیں یہ یقین ہے کہ وہ کبھی کچھ غلط کر ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح اگر ان سے رائے لی جائے تو مزاج میں تنقید کا عنصر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ وہ خود کو معتبر سمجھتے ہوئے احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ علی معین ان کے مزاج کا ایک اور خاصا یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کل کی بجائے جزو کو مد نظر رکھتے ہیں۔ وہ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر وہ کے گھر جائیں تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بغور مشاہدہ کریں گے انہی خصوصیات کی بنا پر راؤ محمد اسرار کو آئس برگ قرار دیا گیا ہے جس کے نو حصے پوشیدہ اور ایک حصہ دکھائی دیتا ہے۔ علی معین انھیں مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہے ہیں جب کہ اپنے نام کی طرح پوشیدہ ہونے کی بدولت وہ انھیں تسخیر کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔:

> "شخصیت کی گہرائی کی بات کریں تو وہ جادوگر کے ڈبے کے مصداق ہے۔ ایک ڈبہ کھولو تو اندر سے دوسرا ڈبہ نکل آتا ہے۔ دوسرا کھولو تو تیسرا۔ ڈبے میں ڈبہ، ڈبے میں ڈبہ۔"[۱۵]

"چھانولا پیڑ" کے عنوان سے تحریر کیا گیا خاکہ علی معین اپنے اُستاد فاروق عمر خان کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔ اُستاد صاحب علم اور تعلیم میں فرق بتاتے ہیں۔ وہ پڑھاتے ہوئے بہت جذباتی ہو جاتے تھے۔ ان کی ذات سے خوف محسوس نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی انھوں نے اپنے شاگردوں کے درمیان کوئی فاصلہ رکھا۔ انہی خصوصیات کی بدولت علی معین اپنے اُستاد کو "گھنے پیڑ" کے مشابہ قرار دیتے ہیں اور وہ تمام خصوصیات اپنے اُستاد میں دیکھتے ہیں جو درخت میں پائی جاتی ہیں یعنی چھاؤں، دنیا، پرندوں کو ٹھکانہ فراہم کرنا اور خوراک کے کام آنا جب کہ بدلے میں کچھ طلب نہیں کرتے۔ اس تقابل کے بعد وہ اپنے اُستاد کی قناعت پسندی اور صبر کو بے پناہ عقیدت سے پیش کرتے ہیں۔ حلیہ نگاری ملاحظہ کریں۔:

> "دیکھنے میں بہت دھیمے دھیمے، نچلے سروں میں بجنے والے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے۔ درمیانہ قد، قدرے پھولا ہوا جسم، گول گول نقش، اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے چاک جھاڑتے ہوئے فاروق عمر خان مجھے جب بھی نظر آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی بہت ہی گھنے درخت کو پیر لگ گئے ہوں۔"[۱۶]

تحقیقی صلاحیتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود انھوں نے کبھی خود نمائی نہیں کی بلکہ اس معاملے میں ہمیشہ لاتعلق رہتے تھے کہ کوئی انھیں سراہے کیوں کہ ان کے نزدیک انسان کا انسان ہونا ہی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت محدود خواہشات کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ علی معین اپنے اُستاد سے جہاں گہری عقیدت رکھتے ہیں وہیں ان کی زندگی سے لاتعلقی کو دنیا کی بے ثباتی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں معاشرتی المیہ ہے کہ ذہین لوگ زندگی کی حقیقتوں سے واقفیت کے بعد اس سے لاتعلق ہو جاتے ہیں جیسے اس

خاکے میں علی معین اپنے اُستاد کے بارے میں مختلف طرح کی عادات و خصائل کو بیان کر کے دنیاوی معاملات سے اجتناب برتنے والے انسان کی حقیقی تصویر کشی کرتے ہیں۔

''بھگوا بھیس'' کے عنوان سے تحریر کیا گیا خاکہ علی معین کے دوست ثقلین ضیاء کے متعلق ہے۔ وہ اس خاکے میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو بظاہر محلات میں رہتے ہیں تاہم اندر سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ علی معین اپنے دوست کو روایات سے باغی قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ بظاہر اپنی زمین سے جڑا ہوا ہے تاہم اس کی شاخیں ارد گرد پھیل چکی ہیں۔ علی معین جدت پسندی میں مبتلا اس دوست کے اندر کی کیفیت سے اسے قدامت پسند قرار دیتے ہیں جس کی وجہ بچپن کی پرورش اور ماحول ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حویلی کی روایات کو اپناتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ اس نے خود کو تبدیل کر لیا ہے۔

> ''واقعات نگاری خاکے کو جہاں دلچسپ بناتی ہے وہاں متعلقہ شخصیت کے بارے میں دی گئی رائے کو بھی وقیع بناتی ہے۔''[۱۷]

علی معین اپنے دوست کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ گھر میں بہت کم رہتا ہے جب کہ ان کے گھر میں ہر شخص اپنے اپنے کمرے تک محدود ہے۔ کسی فرد کو دوسرے کے معاملات سے کسی قسم کا سرور کار نہیں۔ گھر کو تحفظ کی علامت قرار دیا جاتا ہے تاہم ثقلین یہ تحفظ گھر سے باہر تلاش کرتا ہے۔ گھر میں تعمیرات کا کام شروع کرایا گیا تو ثقلین کو اُمید پیدا ہوتی ہے کہ سب مل جل کر رہیں گے تاہم ذہنی طور پر دوریاں پیدا ہو جائیں تو دیواریں ہٹانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ خاکہ نگاری کو نثر کی غزل کہا جاتا ہے۔ غزل میں مختصر انداز سے اشاروں، کنایوں اور علامتوں کے ذریعے اظہارِ خیال کیا جاتا ہے جب کہ معانی و مفاہیم میں بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح خاکے میں بھی اختصار کے اندر بے پناہ وسعت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ خاکہ نگار شخصیت کی مختلف کیفیتوں کے علاوہ اس کی ذات میں چھپے ہوئے اسرار کا بھی سراغ لگاتا ہے اس لیے ایسی شخصیت کا انتخاب ضروری ہے جس میں دوستی، عقیدت، ذہنی رفاقت، بے تکلفی اور ذاتی تجربات شامل ہوں۔ اس حوالے سے محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''شخصیت سے آگاہی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی دبے پاؤں چھپی ہوئے شخصیت میں اُتر جائے۔''[۱۸]

علی معین، ثقلین کی دوستوں سے گہری وابستگی میں شدت کو بیان کرتا ہے۔ اپنی زندگی میں بہت کچھ کھونے کے باوجود اسے احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ مال و دولت اور قریبی رشتوں کی دوری کو خود پر مسلط نہیں کرتا۔ ثقلین میں شدت پسندی کا عنصر غالب ہے جب کہ وہ اپنی غلطی ماننے کی بجائے اسے گھما پھرا کر سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علی معین مختلف تضادات میں گھرے انسان کی چیدہ چیدہ عادات و خصائل کو بیان کر کے مختلف کیفیتوں کے حامل انسان سے ملواتے ہیں جو ایک وقت میں عبادت گزار رہا تھا اور پھر وہی انسان عید نماز کی ادائیگی سے بھی کترانے لگا۔ علی معین اپنے دوست کے ان متضاد رویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثقلین ضیاء کے اتنے روپ دیکھتا ہوں تو مجھے اچانک بھگوا بھیس کا لفظ یاد آجاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے
جیسے اس نے بھی بھگوا بھیس دھارن کیا ہوا ہے۔"[۱۹]

علی معین نے کمال مہارت سے اپنے گرد و پیش میں بکھرے معمولی کرداروں کو غیر معمولی بنا دیا ہے۔ بھگوا بھیس میں تحریر کیے گئے خاکے نہ صرف ہمارے معاشرتی رویوں کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ ان کی زندگی کی محرومیاں اور تلخیاں یہ احساس دلاتی ہیں کہ اس زندگی میں جدوجہد جہاں بعض لوگوں کے لیے حسبِ معمول کی کیفیت پیدا کرتی ہے وہیں اکثر لوگ لاتعلق بھی ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنی محرومیوں کو مختلف نقطۂ نظر سے دیکھنے اور بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تاہم علی معین نے جس طرح مشاہداتی طریقے اور انتہائی دل کشی سے فلسفیانہ رنگ میں کرداروں کو جان دار بنایا ہے یقیناً یہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں منہ بولتا ثبوت ہے۔ یقیناً یہ تمام کردار بھی بظاہر کچھ ہیں جب کہ حقیقت میں یہ اپنے اندر کی جنگ لڑتے ہوئے کسی اور طرح کی فطرت کے مالک ہوں گے۔ ہر انسان دنیا میں کئی طرح کے روپ اپنا کر وقت کاٹتا ہے۔ چناں چہ ایسے تمام روپ کسی ایک کیفیت کی بجائے متضاد رویوں کو جنم دیتے ہیں جس کی عمدہ منظر کشی ان خاکوں میں کی گئی ہے۔ علی معین نہ صرف لفظوں کے ہنر سے آشنا ہیں بلکہ کرداروں کو خود پر اس طرح طاری کر لیتے ہیں کہ پھر ہر خاکہ جان دار تصویر کی مانند قاری کی آنکھوں کے سامنے بولتا، کھاتا پیتا اور حرکت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہی اس خاکوں کے مجموعے "بھگوا بھیس" کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی معین، بھگوا بھیس، (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز ۶۵۔ لوئر مال، ۱۹۹۴ء)، ص:۱۶

۲۔ ایضاً، ص:۲۱

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء) ص:۲۲۹

۴۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۴۳

۵۔ ایضاً، ص:۴۸

۶۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری فن و تنقید، (لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص:۱۵

۷۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۶۰

۸۔ رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص:۱۷۲

۹۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۶۴

۱۰۔ علی محمد خان / اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اصنافِ نظم و نثر، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۶ء)، ص:۲۶۸

۱۱۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۷۶

۱۲۔ ایضاً، ص:۸۷

۱۳۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری فن و تنقید، ص:۱۲

۱۴۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۹۵

۱۵۔ ممتاز مفتی، اور اوکھے لوگ، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۰ء)، ص:۳

۱۶۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۹۶

۱۷۔ قدرت اللہ شہزاد، اُردو کے چند خاکہ نگار، (بہاول پور: مکتبہ الہام ۳۳۔ ماڈل ٹاؤن اے،، بار اوّل، ۲۰۰۷ء)، ص:۸۰

۱۸۔ محمد طفیل، خاکہ نگاری فن و تنقید، (لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص:۱۲

۱۹۔ علی معین، بھگوا بھیس، ص:۱۱۶